خطبه جمعه

بڑی بڑی عظیم قربانیاں دینے والے وجود پہلے گزر چکے ہیں

مرتے تو سب ہی ہیں مگر مبارک ہے وہ جوکسی نہ کسی رنگ میں دین کی حمایت کرتا ہوا مارا جائے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۷رمئی ۱۹۹۹ء بمطابق ۷رہجرت ۱۳۷۸ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿وَلَاتَقُوْلُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ. بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَاتَشْعُرُوْنَ﴾
(سورۃ البقرہ آیت ۱۵۵)

شہداء کا ذکر چل رہا ہے اسی تعلق میں یہ مرکزی آیت ہے جس کی میں ہر دفعہ تلاوت کرتا ہوں۔ جب شہداء کا ذکر خیر چلا تو اس وقت اس کثرت سے شہداء کے نام نہیں تھے جواب اس مضمون کے تتبع سے آہستہ آہستہ نکل آئے ہیں اور عزیزم غلام قادر شہید کی شہادت نے جو یہ سلسلہ جاری کر دیا، اللہ تعالیٰ امید ہے اس کو بھی اس کے ثواب سے محروم نہیں رکھے گا کیونکہ بہت سے ایسے نام ہیں جن کو عام یاد بھلا چکی تھی۔ پس ضروری تھا کہ ان کا ذکر بار بار چلے۔

اب جو پاکستان میں خصوصیت سے ہمارے اسیر ان راہ مولیٰ پڑے ہوئے ہیں ان میں سے بھی اکثر کے نام کو لوگ بھلا چکے ہونگے لیکن اپنے قفس میں بیٹھے ہوئے ان کا دل تو چاہتا ہوگا کہ "کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے"۔ فیض نے بہت خوب کہا ہے کہ:

قفس اداس ہے یار و صبا سے کچھ نہ کہو ☆ کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

تو جو میرے یار ہیں وہ ان کے بھی تو یار ہیں۔ ان کے بھی یار ہیں جنہوں نے راہ احمدیت میں بے شمار قربانیاں پیش کیں۔ تو یہ ذکر خیر جو آج میری زبان سے جاری ہو رہا ہے ہو سکتا ہے آج کے قفس کی فضاؤں کو بھی روشن کر دے اور کچھ دیر تک وہ لوگ جو اس ذکر کو سنیں ان یادوں میں محو ہو جائیں جو ان کو بھی بہت پیاری ہیں اور اس سے خود تسلی پائیں کہ بڑی بڑی عظیم قربانیاں دینے والے وجود پہلے گزر چکے ہیں، ان کے مقابل پر تو ان لوگوں کی قربانیاں ماند ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ پس یہ وہ سلسلہ ہے جسے اب ہم آگے بڑھاتے ہیں اور تعجب ہے کہ افغانستان میں اس سے اور بھی بہت زیادہ شہید ہوئے ہیں جتنا عام لوگوں کا تصور ہے۔

سب سے پہلے میں **صاحبزادہ محمد سعید جان**ؓ اور **صاحبزادہ محمد عمر جان**ؓ افغانستان کا ذکر کرتا ہوں۔ ۱۹۱۷ء میں ضلع گجرات کے ایک مجذوب فضل کریم صاحب ہوا کرتے تھے جن کو تبلیغ کا بہت شوق تھا لیکن تھے مجذوب۔ ان کو پتہ نہیں تھا کہ ان کی تبلیغ کی جرأت کے نتیجہ میں احمدی بھائیوں کو کیا کیا مصیبتیں پڑیں گی۔ بہر حال ان کے دل میں یہ سودا سمایا کہ وہ تبلیغ کی خاطر ۱۹۱۷ء میں روانہ ہو کر کابل چلے گئے اور وہاں جا کر سردار نصر اللہ خان کو درخواست دی کہ میں احمدی ہوں اور بغرض تبلیغ آیا ہوں۔ سردار نے ان کو فوراً گرفتار کر لیا اور پھر جب ان سے پوچھ گچھ کی اور کون کون احمدی ہیں تو اس مجذوب بے چارے نے ان سب کے نام لے دئے جن کا اس کو علم تھا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پانچ لڑکوں کو بھی ان کی نشان دہی پر گرفتار کیا گیا جو ابھی افغانستان ہی میں تھے۔

انہیں شیر پور کے جیل خانے میں مقید کر کے ان کے پاؤں میں موٹی موٹی بیڑیاں ڈال دی گئیں اور اگرچہ ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا گیا مگر یہ دردناک، اذیت ناک موت جو رفتہ رفتہ ان کو پہنچائی گئی یہ عام یکدفعہ کی شہادت سے زیادہ دردناک ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ آٹھ نو ماہ تک وہ جیل میں اس حالت میں رہے کہ ان کو کھانے میں سوائے نمک اور خشک روٹی کے کچھ نہیں ملتا تھا اور اس کی وجہ سے جیل ہی میں انہوں نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر جب نظام نے جواب دے دیا، انتڑیاں گل گئیں تو اسی حالت میں وفات پائی۔ تو بلا شبہ ان کا نام عظیم شہداء میں داخل ہے اور ان کی شہادت اس پہلو سے زیادہ دردناک ہے کہ نو ماہ تک مسلسل تکلیفیں اٹھاتے ہوئے انہوں نے جان دی ہے۔

ایک اور کابل کے شہید ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ ان کو بھی نمک اور خشک روٹی پر رکھا گیا تھا جس طرح ان شہداء کو بھی اور اسی طرح رفتہ رفتہ انتڑیاں گل گئیں، زخم پیدا ہو گئے سارے نظام میں اور اس حالت میں ان لوگوں نے جان دی ہے۔ یہ ۱۹۱۸ء کا واقعہ ہے۔ **حضرت سید سلطان احمد صاحب شہید** اور ان کے بھائی **حضرت سید حکیم صاحب** کا ذکر ہے۔ شہادت ۱۹۱۸ء میں ہوئی۔ علاقہ جاجی کے حاکم سردار محمد خان کے حکم سے ایک بڑے عالم یعنی سید سلطان صاحب جو بڑے عالم دین تھے اور ان کے بھائی سید حکیم صاحب کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ یہاں خشک نان اور نمک کے سوا انہیں کوئی کھانا نہ ملتا تھا۔ مسلسل یہ کھانا کھانے کے نتیجہ میں دونوں کی انتڑیاں بالکل گل گئیں اور اسی دردناک حالت میں شہید ہوئے۔

اب تاریخ کے اعتبار سے مختلف ملکوں کا جگہ جگہ ذکر چلے گا۔ مگر میں نے تاریخ وار چونکہ مرتب کیا ہے اس لئے اب میں انبالہ کے **حاجی میراں بخش صاحب اور ان کی اہلیہ** کی شہادت کا ذکر کرتا ہوں۔ یوم شہادت ۱۳ر/ ۱۴ر اگست ۱۹۴۰ء ۔ ۱۳/ ۱۴ر اگست کی درمیانی رات کو گیارہ بجے حضرت حاجی میراں بخش صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ صاحبہ کو ان کے اپنے مکان میں شہید کر دیا گیا۔ حاجی میراں بخش صاحب قریشی محلّہ خلوت انبالہ شہر کے رہنے والے تھے۔ چرم فروشی کرتے تھے۔ حاجی صاحب نے ۱۹۰۴ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ نہایت سرگرم داعی الی اللہ تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے احمدیت کی بدولت فضل بھی بہت کئے تھے اور بہت کاروبار چلا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کا جو کاروبار کا پھلنا اور پھیلنا یہ بھی احمدیت ہی کی برکت سے تھا۔ اس وجہ سے مشہور بہت ہو گئے تھے اور مُلّانوں کو یہ بہت تکلیف تھی کہ احمدی ہو کر اتنی اس کو برکت ملی ہے، اتنا مال و دولت اس کے ہاتھ آ رہا ہے۔

اس وجہ سے مُلّانوں کی انگیخت پر ۱۳ر اور ۱۴ر کی درمیانی شب کو گیارہ بجے جب کہ آپ اور آپ کی اہلیہ اپنے مکان میں سوئے ہوئے تھے آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ پہلے حاجی صاحب پر دشمنوں نے تیز چاقو سے حملہ کیا اور پسلی کے قریب ایک گہرا زخم لگا جس سے حاجی صاحب موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ان کی اہلیہ کی آنکھ کھلی اور وہ شور مچا کر مدد حاصل کرنے کے لئے چھت پر چڑھنے لگیں کہ سنگدل قاتل نے مرحومہ کو سیڑھیوں سے نیچے گرا لیا اور ایک دو وار میں ہی کام ختم کر دیا۔ یہ واقعہ شہادت اور بھی دردناک ہو جاتا ہے یہ معلوم کر کے کہ ان کی چھوٹی بچی عمر دس ماہ ان کی گود میں تھی وہ ان کے نیچے دب گئی اور لاش اس بچی کے اوپر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈی ہوئی۔ اس حالت میں اس بچی کو اٹھایا گیا جو زندہ تھی کہ وہ مرحومہ ماں کا دودھ چوسنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ دودھ خشک ہو چکا تھا۔ بہت ہی دردناک شہادت ہے یہ، اور اس حالت میں چونکہ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش احمدیوں کے سپرد نہیں کی گئی تاکہ وہ باقاعدہ اس کو تابوت میں ڈال کر قادیان لے جا سکتے اس لئے ان کے غیر احمدی رشتہ داروں نے ان کی نعش کو وہیں دفنا دیا۔

صوبیدار خوشحال خان صاحب، تاریخ شہادت ۲۹ر مئی ۱۹۴۲ء۔ آپ صوابی ضلع مردان میں ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دوسرے بھائی جمعدار سلطان محمد خان

صاحب تھے۔ اب ان کی شہادت کا واقعہ تو میں ذکر کرتا ہوں لیکن ان کے ساتھ بھی احمدیت کی برکت سے ایک معجزہ ہوا ہے کہ ان کے خاندان کی تیس بتیس پشتوں سے جہاں تک ان لوگوں کو یاد تھا یہ سلسلہ چلا آرہا تھا کہ دو بیٹے ہوتے تھے ایک لاولد مر جاتا تھا پھر دوسرے کے بھی دو بیٹے ہوتے تھے اور اس میں سے ایک لاولد مر جاتا تھا۔ پھر آگے اس کے بھی دو بیٹے ہوتے تھے۔ یہ حیرت انگیز ایک سنت تھی جو بڑی دیر سے جاری چلی آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے احمدیت قبول کرنے سے یہ طریق بدل ڈالا اور آپ کو بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتیوں سے نوازا یعنی دو بیٹوں والا قصہ ختم ہو گیا پھر کثرت سے ان کے بیٹے بیٹیاں بھی ہوئے پوتے بھی ہوئے۔

آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدس دور میں قاضی محمد یوسف صاحب آف پشاور کے زیر تبلیغ تھے مگر احمدیت قبول کرنے کی توفیق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ملی۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت ایک خواب میں پہلے بھی کر چکے تھے۔ آپ کو دعوت الی اللہ کا بہت شوق تھا۔

واقعہ شہادت کی تفصیل یہ ہے۔ احمدیت کی وجہ سے آپ کے گاؤں مینی تحصیل صوابی ضلع مردان میں آپ کی بہت مخالفت تھی۔ ۲۹ر مئی ۱۹۴۲ء کو آپ حسب معمول ٹوپی سے نماز جمعہ ادا کر کے اپنے گاؤں واپس جارہے تھے کہ رستے میں ان کے گاؤں موضع مینی اور صوابی کے درمیان انہیں بعض نامعلوم لوگوں نے گولیاں برسا کے شہید کر دیا۔ قاتل جائے واردات پر ایک خط چھوڑ کر گئے جس میں لکھا تھا کہ قادیانی مذہب چھوڑ دو، رسول کریم کا دین خراب مت کرو ورنہ سب قتل کر دئے جاؤ گے۔ آپ نے اپنے پیچھے نو بیٹے، تین بیٹیاں اور متعدد نواسے نواسیاں بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ یہ بھی شاید سن رہے ہوں اگر ان کے کانوں تک میری یہ آواز پہنچے تو یہ اپنے آپس کے خاندان کی آج کی موجودہ تفصیل بھی مجھے بھجوائیں۔ کون کون کہاں آباد ہوا ہے، ان سے خدا تعالیٰ کا کیا سلوک ہے۔

اب میں ہندوستان کا ذکر چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے آپ کو انڈونیشیا لے کے چلتا ہوں۔ انڈونیشیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت سی شہادتیں ہوئی ہیں جو خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ جلی قلم سے لکھنے والی شہادتیں ہیں۔

سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں آزادی کے اعلان کے بعد جبکہ انڈونیشیا نے جنگ آزادی جیت لی تو موضع چوکنگ کاونگ ضلع تاسک ملایا، مغربی جاوا، انڈونیشیا کے علاقہ میں ماشومی نامی ایک انتہا پسند مسلمان تنظیم کے ایماء پر ماشومی کے شرپسند عناصر کے ہاتھوں چھ احمدی شہید کئے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ **محترم جائد(Jaid) صاحب، محترم سورا (Sura) صاحب، محترم سائری (Sairi) صاحب، محترم حاجی حسن صاحب، محترم راڈن صالح (Raden Saleh) صاحب، محترم دھلان (Dahlan) صاحب۔**

ان سب شہداء کو انتہائی وحشیانہ طریق سے ہاتھ باندھ کر سرعام چوک میں شہید کیا گیا۔ اناللّٰہ وانّا الیہِ راجعُون۔ اب ظاہر ہے کہ ان سب کے لئے بظاہر توبہ کا رستہ کھلا تھا اور ارتداد کا رستہ کھلا تھا مگر ایک بھی ان میں سے اپنے دین سے نہیں ہٹا۔ بہت بہادری سے جان دی۔

انہی ایام میں اس ضلع کی ایک اور جماعت سانگیانگ لومبنگ انڈھیانگ (Sangiang Lombang Indhiang) میں اسی تنظیم کے دہشت گردوں نے چار احمدی احباب کو بے دردی سے شہید کیا جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔ **محترم حاجی سنوسی (Haji Sanusi) صاحب، محترم اومو (Omo) صاحب، محترم تہیان (Tahyan) صاحب اور محترم سہرومی (Sahromi) صاحب۔**

۱۹۴۱ تا ۱۹۴۵ء وارنگ دویانگ چی آنجور (Warung Doyong Chianjur) میں نام نہاد ملاں اور نام نہاد اسلامی شرپسندوں کے فتنہ کی وجہ سے دو احمدیوں کو جیل بھیج دیا گیا جن میں سے ایک احمدی **محترم مارتاوی (Martawi) صاحب** ۴ر مئی کو جیل کے اندر ہی فوت ہو گئے اور اس طرح انہوں نے بھی خدا کی راہ میں شہادت پائی۔ اگرچہ قتل نہیں ہوئے مگر جیل میں راہ مولیٰ میں قید کئے جانے والے جب مرتے ہیں تو شہید ہی ہوتے ہیں۔

اب یورپ آتے ہیں۔ یورپ کے پہلے احمدی شہید کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ البانیہ کے باشندے تھے ان کا نام شریف دوتسا تھا۔ ان کے بیٹے یہاں آکر مجھ سے ملے بھی ہوئے ہیں۔ **شریف دوتسا صاحب یورپ کے پہلے احمدی شہید** ہیں کیونکہ جب کمیونسٹ انقلاب آیا تو وہ مذہب کا نام بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور چونکہ اشتراکیت اصولاً اسلام کے خلاف تھی اس لئے بڑی بہادری کے ساتھ اسلام پر قائم رہے اور کمیونسٹ حکومت کو کہہ دیا کہ میں تمہارے جھوٹے نظام کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے نتیجہ میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ گویا باقاعدہ انہوں نے شہادت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے قبول کیا ہے۔ سرکردہ رئیس تھے اور ان کا اثر ورسوخ البانیہ میں بھی تھا اور یوگوسلاویہ میں بھی تھا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی شہادت کے موقع پر تحریر فرمایا "شریف دوتسا ایک مخلص احمدی تھے۔ ان کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ طریق حکومت کے مخالف تھے اور جو مسلمان اس ملک میں اسلامی اصول کو قائم رکھنا چاہتے تھے ان کے لیڈر تھے۔ **مرتے تو سب ہی ہیں اور کوئی نہیں جو مقررہ عمر سے زیادہ زندہ رہ سکے مگر مبارک ہے وہ جو کسی نہ کسی رنگ میں دین کی حمایت کرتا ہوا مارا جائے۔** شریف دوتسا کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ یورپ کے پہلے شہید ہیں"۔

اب پھر واپس صوبہ سرحد چلتے ہیں۔ **محترم محمد اکرم خان صاحب چارسدہ ضلع پشاور۔** تاریخ شہادت ۱۰ر جنوری ۱۹۵۰ء۔ آپ نے مولوی محمد الیاس صاحب کے ذریعہ احمدیت قبول کی۔ پہلے پیغامی ہوا کرتے تھے پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر دستی بیعت کی۔ بڑے مخلص احمدی رہے۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ مطالعہ کتب کا جنون تھا۔ کچھ عرصہ نائب تحصیلدار رہے۔ دفتر چیف کمشنر سرحد میں میر منشی بھی رہے۔ بعد میں زمینداری اختیار کی اور چارسدہ کے قریب موضع "ڈب" آباد کیا۔ "ڈب" میں ہی تھے کہ کسی کی انگیخت پر ایک نامی گرامی بدمعاش نے ۱۰ر جنوری بروز منگل کو بندوق سے فائر کر کے شہید کر دیا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "وہ چھہتر سال کی عمر کے تھے اور ایک رئیس خاندان میں سے تھے۔ یہ وہی ہیں جن کے متعلق ان کے بھائی نے بیان کیا تھا کہ ہم نے ایک اٹھنی احمدیوں کو دے دی ہے اور ایک اٹھنی غیر احمدیوں کو۔ یہ پہلے پیغامی جماعت کے ساتھ تھے بعد میں مبایعین میں شامل ہو گئے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی شہادت میں بعض مولویوں کا ہاتھ ہے"۔ وہ تو لازماً ہوگا مگر چونکہ قطعی شہادت حضرت مصلح موعودؓ کو نہیں ملی تھی اس لئے یہی ذکر فرمایا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

اب **چوھدری محمد حسین صاحب** تاریخ شہادت ۲۲ر فروری ۱۹۵۲ء کا ذکر کرتا ہوں۔ یہ اب پنجاب کی بات ہے اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ احرار موومنٹ کی شرارت اور شوروغوغا بہت زوروں پر تھا۔ احراری لیڈروں کی رات دن کی فتنہ انگیز تقریروں اور تحریروں کی وجہ سے ۱۹ر فروری ۱۹۵۲ء کو چوہدری محمد حسین صاحب احمدی کو گمبٹ ریاست خیرپور سندھ میں شہید کر دیا گیا۔ اب سندھ کے شہداء کا جو ذکر چلتا ہے اس میں عام طور پر لوگ ان کو بھول جاتے ہیں۔ یہ بھی سندھ کے عظیم الشان شہداء میں سے ہیں۔ پولیس نے اطلاع ہونے پر قاتل کو موقع پر گرفتار کر لیا۔ چوہدری صاحب موصوف کو فوراً ہسپتال پہنچایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ انّا للّٰہِ وانّا الیہ رَاجِعُون۔

اب پھر انڈونیشیا۔ تاریخ کے اعتبار سے اب پھر انڈونیشیا کی باری آرہی ہے۔ چیانڈام (Chiandam) انڈونیشیا، ۳ر مارچ ۱۹۵۳ء کو اس جماعت کے چھ مرد وزن کو شہید کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں مغربی جاوا، انڈونیشیا میں ایک انتہا پسند پارٹی دارالاسلام ہوا کرتی تھی۔ شرپسند عناصر اور اس جماعت کے پیشوا امام کارتوسوویریو (Karto suwiryo)، جو انڈونیشیا میں نام نہاد اسلامی شریعت نافذ کرنا چاہتے تھے۔ یہ کارتو صاحب کا مشن تھا کہ وہ اپنی شریعت کی چھاپ کو انڈونیشیا پر لگانا چاہتے تھے۔ دارالاسلام جو ان کی تنظیم تھی اس کے دہشت گرد جو کہ اپنے آپ کو تن تارا اسلام انڈونیشیا کہا کرتے تھے۔ ۳ر مارچ ۱۹۵۳ء بروز ہفتہ شام سات بجے اسی تنظیم تن تارا اسلام کے دہشت گرد صدر جماعت احمدیہ چیانڈام کے گھر آئے۔ اس وقت صدر جماعت محترم سوما صاحب (Soma) صاحب (عمر تقریباً ۷۳ سال) کے پاس اُن کے بیٹے اور جماعت احمدیہ چیانڈام کے اسسٹنٹ سیکرٹری اور محاسب **محترم اوسون (Uson) صاحب** (عمر ۲۱ر سال) اور سوما صاحب کے ایک قریبی رشتہ دار **محترم سرمان (Sarman) صاحب** (عمر ۲۶ر سال) موجود تھے۔

تن تارا کے کارندے زبردستی اُن کے گھر میں داخل ہوئے اور ان تینوں کو اپنے ساتھ گھر کے باہر ایک کھلے میدان میں لے گئے اور فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اس کے بعد تن تارا اسلام انڈونیشیا کے شرپسند اس گھناؤنی کارروائی کو جاری رکھتے ہوئے **محترم جُملی (Jumli) صاحب** کے گھر گئے اور انہیں گھر سے باہر بلایا۔ پھر زبردستی گھر میں داخل ہو گئے جہاں **محترمہ ایڈوٹ (Idot) صاحبہ** اور **محترمہ اونیہ (Uniah) صاحبہ** بھی موجود تھیں۔ انہوں نے تینوں کو گھر سے باہر نکال کر فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔ اِنّا لِلّٰہ و انّا الَیہِ راجِعُون۔

اب لاہور کے شہداء کا ذکر کرتا ہوں جو پہلے مارشل لاء کے نفاذ سے کچھ پہلے شہید ہوئے اور

بعضوں کا ذکر پہلے شاید ہو چکا ہو لیکن اب میں تاریخ کے حوالے سے بعض کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کا ذکر تحقیقی عدالت کی رپورٹ میں بھی ہے۔ جس دن مارشل لاء لگایا گیا اس دن حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ تحقیقاتی عدالت کے جج جسٹس منیر نے لکھا: اس دن کے واقعات کو دیکھ کر "سینٹ بارتھولومیوڈے" یاد آجاتا تھا۔ اس مارشل لاء سے قبل جو شہادتیں ہیں ان میں **ماسٹر منظور احمد صاحب مدرّس** بھی شامل تھے۔ ان سب شہداء کے متعلق میں نے لکھ دیا ہے کہ ان کی تفاصیل معلوم کریں کہاں تھے، کس کے بیٹے تھے، ان کی اولاد کہاں کہاں گئی۔ شہادتوں کے ذکر میں توجہ صرف اسی طرح بٹی رہی کہ کون شہید ہوا اور حالانکہ ضروری تھا ہماری تاریخ کو مکمل کرنے کی خاطر کہ ان کی اولاد، ان کے پسماندگان وغیرہ کہاں گئے اور کہاں آباد ہوئے اور خدا تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تو اب انشاءاللہ یہ بھی اس شہادت کے تذکرہ کا ایک پھل، بہت ہی نیک پھل ہے جو ہمیں زائد حاصل ہو رہا ہے۔ وہ لوگ جن کی اولادوں کو بھلا دیا گیا تھا اب وہ اولادیں بھلائی نہیں جا سکیں گی۔ اس خطبہ کے تسلسل میں ان کا ذکر خیر بھی چلے گا۔

ماسٹر منظور احمد صاحب مدرس تھے۔ یہ نہیں لکھا کہ کون تھے، کس کے بیٹے تھے، کہاں تھے۔ صرف اتنا ذکر ہے کہ مدرس تھے۔ ان کے علاوہ ۶ر مارچ کو ایک احمدی **محمد شفیع صاحب برما والا** کو مغلپورہ میں شہید کیا گیا اور کالج کے ایک احمدی طالبعلم **میاں جمال احمد صاحب** کو بھی اسی روز شہید کیا گیا۔ میاں جمال احمد صاحب شہید کی شہادت کا واقعہ بہت ہی دردناک بھی ہے اور ان کی بہادری پر بھی دلالت کرتا ہے۔ بہت نڈر انسان تھے۔ محترم جمال احمد صاحب ولد مستری نذر محمد صاحب حلقہ بھاٹی گیٹ لاہور کو ۶ر مارچ ۱۹۵۳ء کو شہید کیا گیا۔ شہادت کے وقت آپ تعلیم الاسلام کالج لاہور میں ایف۔ ایس۔ سی۔ کے طالب علم تھے۔ جب بھی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے جاتے تو شہید مرحوم ساری ساری رات ڈیوٹی دیتے۔ ۵ر مارچ ۱۹۵۳ء کو آپ ساری رات گھر کی چھت پر پہرہ دیتے رہے۔

۶ر مارچ کو جمعہ کے روز آپ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کو ملنے سائیکل پر رنگ محل جا رہے تھے۔ گھر سے کچھ فاصلہ پر محلّہ دار جو آپ کو جانتے تھے جلوس کی شکل میں کھڑے تھے۔ آپ پاس سے گزرے تو انہوں نے پتھر برسانے شروع کر دئے۔ آپ سائیکل سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ ہجوم گالیاں دیتا ہوا آپ کو مارنے کے لئے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا یہ مرزائی ہے اسے جان سے مار دو۔ ایک شخص جو آپ کو ذاتی طور پر جانتا تھا وہ آپ کے پاس آیا کہنے لگا جمال تم کہہ دو کہ تم احمدی نہیں ہو تو میں تمہیں بچا لوں گا۔ اگر تم ویسے نہیں کہنا چاہتے تو میرے کان میں ہی کہہ دو تو پھر بھی میں اس ہجوم کو سنبھال لوں گا۔ کیونکہ آپ نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ آپ کہنے لگے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہوں اور اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بولوں گا، تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو۔ چنانچہ آپ کو نیچے گرا کر چاقوؤں سے شہید کر دیا گیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہ رَاجِعُون۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف ۱۷ سال تھی۔

جمال احمد شہید کے بھائی نصیر الدین بلال اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ شہید مرحوم کے قاتل حکومت نے پکڑ کر چھوڑ دئے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو ہمارے سامنے سزا دے دی۔ ایک پاگل ہو کر نہایت بری حالت میں مرا یعنی گندی نالیوں کا گند پیتے ہوئے پھرتا رہا اسی حالت میں وہ مرا اور دوسرا اندھا ہو کر مرا۔

اب ایک اور احمدی **مرزا کریم بیگ صاحب** کو فلیمنگ روڈ پر چھرا مار دیا گیا اور ان کی نعش ایک چتا میں پھینک دی گئی جو فرنیچر کو آگ لگا کر تیار کی گئی تھی۔ کثرت کے ساتھ اسی روز احمدیوں کی جائیدادیں لوٹی گئیں۔ ان کے سامان کو اکٹھا کر کے ان کی دکانوں میں ڈال کر یا باہر آگ لگا دی گئی۔ تیسرے پہر ایک ممتاز ایڈووکیٹ شیخ بشیر احمد صاحب لاہور کے مکان کو بھی ہجوم نے گھیر لیا۔ اس واقعہ میں شہادت تو کوئی نہیں ہوئی مگر چونکہ شیخ بشیر احمد صاحب نے دفاع میں گولی چلائی تھی اس لئے ان کو پکڑ لیا گیا بعد میں عدالت نے ان کو بری کر دیا۔

۷ر مارچ کی رات کو عبدالحکیم مالک پائنئر الیکٹرک اینڈ بیٹری سٹیشن کے مکان پر چھاپہ مارا گیا اور ان کی بوڑھی والدہ قتل کر دی گئیں حالانکہ وہ احمدی نہیں تھی۔ یہ واقعہ اس غلط فہمی سے ہوا کہ چونکہ عبدالحکیم صاحب جماعت احمدیہ گنج مغلپورہ کے صدر تھے اور ایک معروف ہستی تھے اس لئے دشمنوں نے سمجھا کہ ماں بھی احمدی ہوگی حالانکہ وہ احمدی نہیں تھی۔ تو یہ نہیں وہاں قتل ہوئے مگر ان کی بوڑھی والدہ قتل کر دی گئیں۔

۸ر مارچ ۱۹۵۳ء کو لاہور میں دو اور شہادتیں بھی ہوئیں جن میں سے ایک **مکرم حوالدار عبدالغفور صاحب ولد الٰہی بخش صاحب** تھے اور دوسرے لاہور کے علاقہ میں **ایک احمدی عطار** تھے جن کا نام کسی وجہ سے تاریخ میں درج نہیں۔

اب یہ بھی اسی قسم کا واقعہ ہے کہ جہاں تاریخ میں محفوظ رکھنے والی ضروری چیزیں نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ احمدی عطار شہید ہوا ہو اور اس کا کوئی باپ، کوئی ماں، رشتہ دار، کوئی اور پسماندہ ایسے نہ ہوں جن کو پتہ نہ ہو کہ ان کا نام کیا تھا، کہاں کے تھے اور اب ان کی اولاد بھی کہیں پھیلی ہوئی ہوگی۔ تو یہ وہ اہم تاریخی واقعات ہیں جو نظر سے رہ گئے ہیں اور شہادت کے ذکر میں صرف اتنا ہی کافی سمجھا گیا کہ ایک شہید ہوا، ایک شہید ہوا۔ حالانکہ اس کے ماحول کی باتیں، اس کے رشتہ داروں کی باتیں، اس کے بزرگوں کی باتیں، یہ ساری تاریخ کا حصہ ہونی چاہئے تھیں۔ پس اتنا ہی لکھا ہوا ہے کہ ایک احمدی عطار تھا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اب جب تاریخ لکھنے والے نے لکھا ہے اس وقت اس کا نام نہیں معلوم ہوا ہوگا۔ ہو سکتا ہے ہنگامے کے حالات میں یہ بات لکھی گئی ہو بعد میں تو آسانی سے یہ نام معلوم کیا جا سکتا تھا۔

اب اس کے بعد جو ذکر چلے گا وہ حفاظت مرکز کے سلسلے میں قادیان اور اس کے نواح میں شہادت کے واقعات کا ذکر ہوگا یہ چونکہ اپنی ذات میں ایک لمبا مسودہ ہے اور اس ذکر میں کئی باتیں بیان ہونے کے قابل ہیں اس وقت میں صرف اتنی بات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ قادیان سے ہجرت سے پہلے جو واقعات وہاں گزرے ہیں ان میں لفظ شہادت کا استعمال جائز ہے۔ اگرچہ ایک تقسیم کا ایک سیاسی جھگڑا تھا اور اس کے نتیجہ میں حملے ہو رہے تھے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ جتنے بھی مسلمان جو لاکھوں کی تعداد میں شہید کئے گئے ہیں محض اس جرم میں شہید ہوئے ہیں کہ وہ مسلمان تھے۔ پس احمدی تھے یا غیر احمدی تھے اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ ان سے دشمنی کی وجہ ان کا مسلمان ہونا تھا۔ پس اگر کسی کو مسلمان سمجھتے ہوئے خواہ وہ حقیقی مسلمان ہو یا سطحی مسلمان ہو قتل کیا گیا ہو تو لازماً خدا کے حضور اس کا درجہ شہادت کا ہی ہوگا۔

لیکن جن احمدی شہداء کا میں ذکر کروں گا اس ضمن میں ان کے متعلق ایک بات میں کھول دینا چاہتا ہوں کہ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کا شہادت کا مرتبہ ان عام مسلمانوں سے زیادہ بڑا تھا۔ جیسا کہ تفصیلی ذکر آئے گا آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ بہت سے احمدی نوجوانوں نے اپنے بھائی مسلمانوں کی حفاظت میں جانیں دی ہیں اور قادیان میں بڑی بڑی دور دور سے لوگ جا کر اس خیال سے آباد ہوئے تھے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کی حفاظت میں اور مرکز کی حفاظت میں جان دینے سے بھی دریغ نہ کریں۔ پس قطعی طور پر کھلی کھلی شہادت ہے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور اپنی جانیں دے دیں اور جانتے تھے کہ انتہائی خطرناک حالات ہیں اس کے باوجود بعض بہت دور دور کے گاؤں میں گئے ہیں اور وہاں سارے کے سارے مسلمان گاؤں کا انخلا کروا دیا ہے حالانکہ چند ایک ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت فرمائی اور کامیابی کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں کو وہاں سے نکالنے کی توفیق احمدیوں کو ملی۔

قربانی کا یہ حال تھا اس زمانہ میں جب کہ کھانے کو روٹی بھی نہیں ملتی تھی، ایک ایک لاکھ یا اس سے زائد مسلمان مہاجرین کو روٹی دینے کا انتظام قادیان کے لنگر خانہ نے کیا ہوا تھا۔ اور حضرت مصلح موعودؓ کی فراست دیکھئے کہ اس سے بہت پہلے آپ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حالات نہایت خطرناک ہونے والے ہیں اور ہمیں اس وقت ضرورت پڑے گی جب کہ کہیں گندم میسر ہی نہیں آئے گی، جب کہیں خوراک نہیں ملے گی۔ چنانچہ آپ نے جماعت احمدیہ کا وہ انتظام جہاں گندم جمع کی جاتی تھی اس انتظام کو کناروں تک گندم سے بھروا دیا۔ بہت دور دور تک لوگوں کو بھیجا جاتا تھا کہ وہ گندم خرید کے لائیں۔ اس وقت تعجب ہوتا تھا کہ اتنی زیادہ گندم کی ضرورت کیا ہے مگر جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت پتہ چلا کہ اردگرد کے مسلمان جو لاکھوں کی تعداد میں قادیان میں پناہ لینے کے لئے وقتاً فوقتاً آتے رہے اگر وہ دشمن کی بستیوں سے بچا بھی لئے جاتے تو فاقوں کا شکار ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے قادیان کے گندم کے ذخیروں نے ان کو زندہ رہنے کے لئے قوت مہیا کر دی یعنی جیسا بھی تھا نمک روٹی سے گزارہ کیا یا پانی نمک روٹی سے گزارہ کیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ رکھے گئے اور ان کے زندہ رکھنے میں وہ تمام احمدی شامل ہیں جنہوں نے مختلف جگہوں سے وقف کر کے قادیان میں آکر ان کی حفاظت کے انتظام کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

اب چونکہ وقت تھوڑا ہے اس لئے اس میں میں اگلے مضمون کو شروع نہیں کر سکتا۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ آگے جرمنی میں بھی جاری رہے گا اور جرمنی کے بعد پھر جب یہاں آئیں گے تب بھی یہ شہداء کے تذکرے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا کی سعادت تو نصیب کر ہی چکا ہے ان کی اولادوں کو بھی دین و دنیا کی سعادتیں نصیب کرے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی سب نئی نسلوں کو توفیق عطا فرمائے۔